Research Journal
Tahqeeqat
جلد:4، شمارہ:2، 2025ء
eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334
ریسرچ جرنل
تحقیقات

کشور ناہید کی غزل کا تجزیاتی مطالعہ

Analytical Study of Kishwar Naheed's Ghazal

Dr. Shafqat Zahoor
Lecturer, Department of Udru Language and Literature, University of Sargodha
Dr. Kashif Ur Rehman Shah
Lecturer, Department of Urdu Language and Literature, University of Sargodha
Dr. Suhail Abbas
Professor, Department of Urdu Language and Literature, University of Sargodha

ڈاکٹر شفقت ظہور
لیکچرار، شعبہ اردو زبان و ادب، یونیورسٹی آف سرگودھا
ڈاکٹر کاشف الرحمان شاہ
لیکچرار، شعبہ اردو زبان و ادب، یونیورسٹی آف سرگودھا
ڈاکٹر سہیل عباس
پروفیسر، شعبہ اردو زبان و ادب، یونیورسٹی آف سرگودھا

Abstract

Kishwar Naheed has written works in various fields of Literature. Like other genres, the study of her ghazal also demand attention. Kishwar holds a unique position and status in the early female voices of Urdu. On the literary horizon, Kishwar is known as a radical poet. The beginning of Kishwar Naheed's ghazal also encompasses traditional Love themes. The Author describes personal events, themes of love and affection in easy language. With time, Kishwar Naheed became the representative voice of women and became popular in literary circles. Her poetry is an interpreter of progressive thought. Metaphors and similes in Kishwar's ghazal will be examined. This article will study the intellectual and artistic elements in Kishwar's ghazal.

Keywords: *Modern Urdu Ghazal, Kishwar Naheed, Famine voice, Plight of Women, Gender Equality, Radical Thinking, Male Dominanted Society*

کلیدی الفاظ: جدید اردو غزل، کشور ناہید، نسائی آواز، خواتین کی حالت زار، صنفی مساوات، بنیاد پرست سوچ، مردانہ غلبہ والا معاشرہ

غزل اُردو کی مقبول ترین اور قدیم ترین صنفِ سخن ہے، بعض قدیم اصناف مثلاً قصیدہ، واسوخت اور مثنوی وغیرہ نے دم توڑ دیا ہے، اب اِن کا چلن نہیں رہا، لیکن غزل، نئے موضوعات اور نئے اسالیب کے ساتھ، ہنوز تابندہ و پائندہ ہے۔ جگر مراد آبادی، فراق گورکھ پوری، حسرت موہانی، مجروح سلطان پوری اور شکیب جلالی نے غزل کو ایسا سہارا دِیا کہ جدید نظم کا سیلاب بھی غزل کی مقبولیت کو مجروح نہ کر سکا، خصوصاً شکیب جلالی نے اُردو غزل کو ایسا نیا رنگ و آہنگ فراہم کر دِیا کہ وہ عام و خاص سب کی توجّہ کا مرکز بن گئی اور آج تک یہ سلسلہ قائم ہے۔

غزل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بہت کٹّر صنفِ سخن ہے، آسانی سے قابو میں نہیں آتی، بڑی چنچل و نازک مزاج ہے، حد درجہ سادہ و پُرکار ہے، بظاہر بیخود لیکن بہ باطن ہوشیار ہے، بڑی حیا کوش و نفاست پسند اور پُراسرار ہے، بے محابہ نہیں رفتہ رفتہ کھلتی ہے۔ گفتار نرم، رفتار سبک، مزاج متلوّن، درونِ خانہ کے ہنگاموں کا شکار، خارجی حقائق کی راز دار، لیکن طرزِ اظہار میں حد درجہ آزاد، محتاط، خیالات و افکار کتنے ہی جدید و دقیق یا لطیف و نازک کیوں نہ ہوں، یہ اپنے مخصوص علامتی اور اجمالی انداز کے سوا کسی اور انداز سے سامنے آنا پسند نہیں کرتی۔ زبان و بیان کے روایتی رشتوں کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتی۔ بات فکر کی ہو یا جذبے کی، جدّت کی ہو یا بغاوت کی، غمِ عشق کی ہو یا غمِ روزگار کی، آرائشِ خمِ کاکل کی ہو یا اندیشہ ہائے دور دراز کی، غزل اِنھیں اپنے قدم روایتی اور علامتی رشتوں کے سہارے ہی آگے بڑھاتی ہے۔ اِس ایمائیت و رمزیت کو جس سلیقے سے کشور ناہید نے برتا ہے وہ حیرت انگیز ہے اور یہ سلیقہ اُن کے ہم عصروں کو کم ہی میسّر آیا ہے۔

کشور ناہید نے روایتی طور پر غزل گوئی سے اپنے شعری سفر کا آغاز کیا۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ لبِ گویا 79 غزلوں اور 38 دوہوں پر مشتمل ہے۔ زندگی کے انتیسویں برس میں شائع ہونے والے اس مجموعے کا رنگ بہت پختہ ہے۔ اس میں روایتی غزل جس میں عورت سے باتیں کرنا یا عورت کی باتیں کرنا کہا جاتا ہے، سے مختلف ہے۔ بزرگ شعرا کی تقلید اور ان کے تجربات کا اثر نمایاں ہے۔ ان غزلوں میں ایک ٹھہراؤ ہے، اُبھرتی ہوئی ایک سوچ ہے، نیا پن ہے۔ یہ مجموعہ اس لیے بھی اہم ہے کیوں کہ اس سے شاعرہ کے ابتدائی رجحان کے علاوہ اس کی پوری نسل کی آپ بیتی بھی مقید ہے۔ زمانۂ طالب علمی سے ہی کشور بڑے نامور شعرا سے متعارف ہو چکی تھیں۔ ان کی محافل اور کچھ اپنی حساس طبع کے باعث وہ جذبات جو عموماً نو عمری یا جوانی سے وابستہ ہوتے ہیں ان کا اظہار کہیں پسِ پشت چلا گیا ہے اور اس کی جگہ مسلسل احساسِ تنہائی، شہر بیگانگی اور معاشرے کی کم مائیگی نے لے لی ہے:

عجب بات گریباں پہ ہاتھ ان کا ہے
جو توشہ گیر تمنا تھے حرفِ غیرت کے [1]

زمانہ در پئے آزار ہے تو کیا ناہیدؔ
بکھرتے آئے ہیں موتی سدا مشقّت کے [2]

کہیں تو ساحلِ نایافت کا نشاں ہو گا
جلا کے خود کو تقضائے آہ ہوں تو سہی [3]

ڈاکٹر رشید امجد لکھتے ہیں:

"فہمیدہ ریاض کی طرح کشور ناہید کی ابتدائی شاعری میں خصوصاً غزل میں ایک جوان ہوتی دوشیزہ کے خواب بنتے سنورتے ہیں۔ ان کے پہلے مجموعہ "لبِ گویا" کی شاعری میں ہلکا پھلکا رومانوی انداز نسائی لہجے کے ساتھ چھوٹے چھوٹے جذبوں اور احساسات کو زبان دیتا ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ کشور کے یہاں عورت کی مظلومی ایک مستقل موضوع بنتی گئی اور آخر آخر یہ بغاوت ایک زوال پذیر نظام کے خلاف ایک مستقل ردِ عمل بن گئی"۔ [4]

مصنفہ کے ہاں جب محبت کی خواہشات نے انگڑائی لی تو اسے ساکت سمندروں میں کھلا بادبان ملا۔ محبوب کی اغیاری کا حوالہ، محبت میں نارسائی اور بے وفائی کا داغ سہتی ایک عاشق ہے جس پر تمام حقیقت محبت آشکار کر چکی ہے اور وہ محبوب کو وفا کی زنجیر سے آزاد کر دیتی ہے۔ کشور ناہید کے ہاں یک طرفہ محبت ہے۔ یہ روایتی محبت سے اس طرح مختلف ہے کہ محبوب کی بے وفائی سے نالاں ہونے یا شکوہ کرنے کی بجائے اس کی کج ادائی ایک امر کی طرح تسلیم کر لی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ محبوب سے کوئی توقعات وابستہ نہیں کی گئی تھیں اور نہ ہی کوئی عہد و پیماں باندھے گئے تھے:

رنجِ طلب کی کوئی نشانی نہ بن سکی
ہر رشتہ اُمید بھی آشوبِ جاں لگا [5]

حوصلہ شرطِ وفا کیا کرنا
بند مُٹھی میں ہوا، کیا کرنا [6]

تمہارے درد کے مارے تھے تمہیں سے کیا کہتے

کہ ٹوٹتا ہے جدائی میں کس طرح سے بدن [7]
اَن گنت لوگوں کی چاہت نے اسے دھندلا دیا
وہ کہاں تک اپنی صورت کو بدلتا جائے گا [8]

کشور ناہید کو باغی شاعرہ یا روایت شکن جیسے انتہا پسندانہ نام دیے جاسکتے ہیں مگر دیکھنا یہ ہے کہ غزل اس کو کس طرح باغی یا روایت شکن بننے کی اجازت دیتی ہے۔ غزل کی ہیئت، بحور، قوافی و ردیف کی پابندیاں، یہ وہ شرائط ہیں جن کو نبھانے میں نئے موضوعات یا افکار، اظہار کے ضمن میں خود کو معذور پاتے ہیں۔ بدلتے ہوئے سماجی و سیاسی ڈھانچوں نے انسانیت کی بنیادوں میں لرزہ طاری کر دیا۔ ڈاکٹر رشید امجد لکھتے ہیں:

"ابتدا میں اس کی بغاوت اپنے عورت پن سے تھی، کیونکہ عورت ہونا خود اس کے لیے ایک واردات ہے۔ اس کا اظہار اس نے نفرت اور غصے سے کیا لیکن بعد میں اس کی یہ جنگ ذات کی تنگنائے سے نکل کر پورے نظام کے خلاف ایک بڑی لڑائی میں تبدیل ہو گئی۔ چنانچہ ایک رزمیہ آہنگ شروع سے آخر تک اس کے اسلوب کا حصہ رہا۔ اس لیے اس کی شاعری ذہنی حظ آفرینی کی بجائے اپنے عہد کے ساتھ ایک نہ ختم ہونے والے فکری اور نظریاتی مکالمے کی صورت میں سامنے آئی"۔[9]

اب غزل ایک ایسی صنفِ سخن کے طور پر سامنے آئی جو انسان اور کائنات سے وابستہ تمام موضوعات کو قبول کر سکتی ہے۔ اس کی زبان بدلی مگر ڈھانچہ وہی رہا۔ اس کی فضا وہی رہی مگر یہ سماجی موضوعات کو اپنے دامن میں سمونے لگ گئی۔ مگر وہ دبنگ لب ولہجہ اور بے باک فطرت جس نے نظم کو جنم دیا تھا وہ اس میں پیدا نہیں ہوئی۔ خواتین شعرا کی تعداد بڑھنے سے اور ان کی مشاعروں میں شرکت سے غزل میں ایک نئے پن کا احساس جاگا۔ انتظار حسین لکھتے ہیں:

"کشور ناہید نے کھیل مردانہ کھیلے، غزل نسوانی لکھی، اردو ادب نسوانی ناول سے تو پٹا پڑا ہے مگر نسوانی غزل اس کے پاس نہیں تھی، یہ دولت کشور ناہید نے اسے عطا کی۔"[10]

فتح محمد ملک لکھتے ہیں:

"لبِ گویا" کی غزلیں اُردو دُنیا کو پہلی بار ایک نئی قسم کی شاعرِ نامراد کے خواب و خیال اور جذبہ و احساس سے متعارف کراتی ہیں۔ یہ عاشق اپنے کامیاب عشق میں پنہاں ناکامیوں اور اپنی جسمانی تسکین سے پھوٹتی ہوئی محرُومیوں کو سمجھنے میں کوشاں ہے۔ کشور اپنے گہرے دکھ پر نہ تو گریہ وزاری میں مُبتلا ہوئی، نہ واسوخت پر اُتری اور نہ ہی اپنے شہیدِ عشق ہونے پر اِترائی۔ غزل کی ان مقبول عام روشوں سے ہٹ کر کشور نے اپنے دل کی آگ اور اپنے بدن کی آنچ ـــــ نیرنگِ عشق اور نشاطِ ہوس کی بوقلموں کیفیات پر تخلیقی غور و فکر کی راہ اپنائی"۔[11]

مصنفہ نے عورت کے جذبات عورت کی زبان میں ادا کیے۔ اس کے تجربات اور مشاہدے میں وسعت آنے لگی۔ ادا جعفری اور کشور ناہید جیسی شعرا نے یہ باور کروایا کہ عورت صرف جسم کا نام نہیں ہے۔ ڈاکٹر مشتاق احمد وانی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"کشور ناہید ایک ارفع ذہنی سطح پر زندگی کے تضادوں، بوالعجبیوں اور پیچیدگیوں کا تصور رکھتی ہیں۔ وہ موجودہ میکانکی اور زبردست معاشرے میں انسانی اقدار کی بے حرمتی کو شدت سے محسوس کرتی ہے۔ ان کی عصری آگہی میں اتنی شدت اور وسعت پیدا ہوتی ہے کہ وہ جنسی اصل کو بھول کر وسیع تناظر میں انسان کے درد و کرب سے آشنا ہوتی ہیں۔"[12]

کشور کے پہلے شعری مجموعے میں شامل غزلوں کا لہجہ دھیما مگر ولولہ انگیز ہے۔ محبت اور اس میں ہونے والے تجربات میں قطع تعلق اور بعد از محبت کے تجربے کو بخوبی قلمبند کیا ہے۔ ساتھ ہی موضوعات کی ایک نئی اٹھان سامنے آتی ہے جس میں ذات کی پہچان، خودی اور تبدیلی کی تمنا و جستجو شامل ہے۔ فتح محمد ملک لکھتے ہیں:

"سرد مہری اور لاتعلقی سے لے کر پامالی اور تذلیل تک مظلومیِ نسواں کے اَن گنت عنوانات پر کشورؔ نے اظہار و ابلاغ اور ترسیل و ترجمانی کے رنگا رنگ پیرایوں میں اپنی دلسوزی کے نقوش ثبت کیے ہیں"۔[13]

ڈاکٹر شمیم حنفی لکھتے ہیں:

"ان کے اشعار کی پہلی کتاب "لبِ گویا" بھی، جس میں رومانویت کی دھند بظاہر موجود ہے، نرم و نازک احساسات سے زیادہ ایک نوعمر لڑکی کی زندگی میں سرگرم تند و تیز جذبوں، حقیقی تجربوں کی سطح میں پیوست خوابوں اور کڑوی سچائیوں کا بیان معلوم ہوتی ہے۔ "لبِ گویا" کی غزلوں اور دوہوں میں "صد موسمِ گل گرچہ تہہ بال ہی گزرے" کی جیسی ایک کیفیت اپنی جگہ، مگر ان میں پرواز کی حسرت کا اظہار اور تماشا صاف دکھائی دیتا ہے۔ کشور ناہید کی حسیت تجربے کے کسی بھی مرحلے اور سکوت اور بے زبانی کا شیوہ اختیار نہیں کرتی۔ یہ حسیت زمانے سے الجھنے سے پہلے اپنے آپ سے خوب الجھتی ہے اور ایک مستقل آویزش، اندر ہی اندر جاری رہنے والی ایک درشت اور گمبھیر کشمکش کی خبر دیتی ہے"۔[14]

سیّد سبطِ حسن لکھتے ہیں:

"کشور ناہید نے ذات کے دُہرے پن کا ذکر بار بار کیا ہے۔ گو پُورے معاشرے کی منافقت، مکر اور ریا ان کے دائرۂ فکر سے خارج ہے۔ لیکن اس معاشرے میں عورت کو اپنی مجلسی اور خلوتی زندگی میں جس جس طرح اپنے باطن پر ظاہر کا پردہ ڈالنا پڑتا ہے۔ کشور ناہید نے اُس کو بڑے سلیقے سے پیش کیا ہے۔ اس معاشرے میں جہاں اخلاق کی سب قدریں مرد کی وضع کردہ ہیں۔ عورت مرد کی مرضی پر چلنے پر مجبور ہے۔ اُسے مرد کی ہر خوشی اور ناخوشی کو برداشت کرنا پڑتا ہے بلکہ زہر کا یہ پیالہ ہنس ہنس کر پینا پڑتا ہے۔ کشور ناہیدؔ نے اس دُہرے پن کا مطالعہ عورت کی نظر سے کیا ہے اور خوب کیا ہے"۔[15]

کشور ناہید کا شعری مجموعہ گلیاں، دھوپ، دروازے میں صرف 25 غزلیں شامل ہیں مگر اپنی تندی اور تاثیر میں یہ الگ مقام رکھتی ہیں۔ یہ سفر ان کے پہلے مجموعے کے تقریباً نصف سے شروع ہوتا ہے۔ خاص طور پر ان کی غزل کا مطلع گریہ، مایُوسی، غمِ ترکِ وفا کچھ نہ رہا/ زندگی رہ گئی جینے کا مزہ کچھ نہ رہا۔[16] سے شاعرہ کی ذات میں ایک غیر محسوس تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ غزل کا شعر انفرادی حیثیت کا حامل ہوتا ہے اور نظم کے برعکس شاعر مترجم نہیں ہوتا۔ کیوں کہ اس کا اُفق اور معنیاتی تنوع اسے عالمگیریت عطا کرتی ہے۔ مگر جب ہم بغور مطالعہ کرتے ہیں خاص طور پر تحلیل نفسی کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس غزل کے بعد شاعرہ کی فکری اپج میں غیر محسوس تبدیلی پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ کشور کا مزاج ایسا تھا کہ وہ اجنبی پر غیر لوگوں کے منع کرنے کے باوجود بھی بھروسہ کر لیتی تھی جس کے ہاں محبوب کی یادیں زندگی میں اُجالا کرتی تھیں، جس کے لیے محبوب نہ سہی یادِ یار ہی سہارا تھی، جو رات کے پچھلے پہر پُھوٹنے تک انتظارِ یار میں صبر کیے بیٹھی تھی، جو بے اعتنائی، بے وفائی کے باوجود پیار میں باولی ہوئی جا رہی تھی، جس کا بدن ہجومِ رنگ سے جنگل بنا، خواہشِ اظہار و پذیرائی چاہتا تھا، جو فراقِ یار میں شدت پھنکتار رہتا تھا، اس بدن کی مالک عورت ساری عمر وفا شعار رہنے کو تیار تھی اب اس کا مزاج بدل گیا ہے۔

اب غمِ جاناں سے اس کے دل کی سیاہی نہیں دھلتی، اب وہ انتظار اور رت جگوں کی قید سے رہائی چاہتی ہے، اب اس کے لیے محبت ناحق بوجھ بن گئی ہے۔ اب اس نے آہٹوں میں چھپے وجود کی تلاش ترک کر دی ہے۔ اب اس نے میلے دل سے لب پہ مسکراہٹیں سجانے کا فن سیکھ لیا ہے۔ وہ سیلِ زماں میں مدغم ہو گئی ہے، اب عشق آزاد ہے، دلدل ہے، اب اس کے ہاتھوں میں سیر ہے جس سے وہ زمانے کے مدِ مقابل کھڑی ہو گئی ہے۔ محبت کے ساتھ رسوائی کا جوڑ اور خوف تھا وہ چلا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس کی فکر معاشرتی غم اور تکالیف سے آشنا ہوئی ہے۔ اپنے غم کا پانی کم ہوا تو اسے زمانے کے آزار نظر آنے لگے ہیں۔ چوں کہ بے وفائی اس نے نہیں کی اس لیے وہ محبت پر شرمسار نہیں ہے۔

کشور ناہید کی غزلیہ شاعری عورت کی توانا آواز بن کر اُبھرتی ہے۔ ان کی غزل نئے موضوعات سے پرانی بوتل میں نئی شراب کا لطف دیتی ہے۔ تمنا کا پہلا قدم جو لبِ گویا سے شروع ہوا تھا وہ ذات کی بھول بھلیوں سے نکل کر بہت جلد ادراک کے دوسرے مرحلے میں داخل ہو گیا۔ جہاں ایک دوسرا وجود موجود ہے جسے ہم محبوب کہتے ہیں۔ غزل کا یہی محبوب نظم میں چل کر ہم نفس میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ شاید صنف کے تقاضے کی بدولت یا پہلا تجربہ ہونے کے وصف شاعرہ غزل میں ہم نفس کی دوسراہٹ کا تجربہ کرتی معلوم ہوتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ غمِ دوراں، سماج اور روحِ عصر کی ترجمانی، اس عہد کی فضا، ذہنی میلانات، شاعرہ کی بحیثیت فرد اپنی زندگی اور دیگر زندگیوں کے متقابل اور ردِ عمل سے اس کی شاعری کا نفسیاتی اور تہذیبی پس منظر ہے۔ اس حوالے سے مختار صدیقی لکھتے ہیں:

> "مخصوص پیرایہ ان معنوں میں یہ نئی غزلیں، اپنی پیشرو غزلوں کے حوالے سے محض تسلسل روایت ہی نہیں، اپنی پہلی روایات میں، مزعومات میں، اور اندازوں میں کئی طرح سے اضافہ کرتی ہیں۔ ایک وجہ تو صاف ظاہر ہے کہ اب اپنی ذات کا تعیّن، دیگراں کے سیاق وسباق میں ہو رہا ہے، اس لیے مضامین کا دائرہ کار دونوں وسیع تر ہو گئے ہیں۔"[17]

حیات وحمات کے جتنے بھی موضوعات یا مضامین غزل میں پابند ہوئے ہیں ان کے خیال اور لغت کو اس صنف کی باریک چھنی سے گزرنے کے بعد غزلیت کے ریگ مار سے بھی گزرنا پڑا ہے جس سے اس میں رچاؤ اور معنی میں تہہ داری پیدا ہو گئی ہے۔

یہ روایت سے اپنے پیراہن کی باوصف وابستہ ہے۔ بعض جگہوں پر روایتی مضمون کو نئے ڈھب سے باندھنے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ اس کوشش میں آمد ہے آورد نہیں ہے۔ یہ شاعرہ کے مطالعہ کی بازگشت بھی ہو سکتی ہے۔ اس طرح یہ شاعرہ کی نسل کے مخصوص ماحول، ادبی فضا اور نسل وثقافت کا حوالہ بن گئی ہے۔ اس میں رمز وایمایت ہے کچھ داخلی تجربات اور خارجی معاملات ہیں۔ اس میں شاعرہ کی موجودہ شخصیت کی ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے۔

روایتی اردو غزل میں تین کردار پائے جاتے تھے۔ عاشق جو زمانے اور محبوب کے نشانۂ ظلم وستم پر ہوتا ہے، محبوب جو ستم گر تھا اور عدو رقیب عاشق دورِ جدید میں یہ تینوں کردار بدل گئے ہیں۔ عاشق کے ساتھ محبوب اور مرد کے ساتھ عورت کا روایتی تصور بدل گیا ہے۔ غزل کے اُفق کے وسیع ہوتے ہی داخلی شاعری کا مخصوص پن ختم ہو گیا ہے۔ اس میں گھلاوٹ، تفکر اور دل سوزی کی نئی روح پیدا ہو گئی ہے۔ یہ روح خاص طور پر مصنفہ کے شعری مجموعے ملامتوں کے درمیاں میں نظر آتی ہے۔ اس کتاب کے آغاز میں 1981 اور 1982 تک لکھی جانے والی کل تیس غزلیں شامل ہیں۔

سخن ور کبھی بھی ایک ماحول کا پابند نہیں رہ سکتا۔ انسانی ارتقا کی طرح فکری ارتقا بھی ہوتا ہے جس سے فی شاعر، زمانہ، زبان اور بیان کی تاریخ رقم ہوتی ہے۔ کشور ناہید کے شعری مجموعے لبِ گویا سے شروع ہوا یہ سفر سیاہ حاشیے میں گلابی رنگ تک آتے آتے نکھرتا چلا گیا ہے۔ اس مجموعے میں کل پچیس غزلیں شامل ہیں۔ اپنے موضوع، فکر اور دائرہ کار کے حوالے سے یہ محض پچیس غزلیں نہیں ہیں شاعرہ کے فکری اور زمانی ارتقا کی

تاریخ ہیں۔ ان غزلوں میں نارسائی، فنا نما آسودگی نمایاں ہے۔ ان غزلوں میں موت اور فنا کے مختلف ذائقے میں جس کے پیچھے یوسف کامران کی موت کا غم نمایاں ہے۔ کشور اپنی تمام تر بغاوت، بے رحمی، اظہارِ ذات کی خواہشوں کے ساتھ رشتوں اور چیزوں کو سمیٹنے کی جستجو میں لگی رہی۔ اس سے مصنفہ کی روح اور بدن فگار ہوئے مگر اس نے کبھی حالات سے فرار حاصل کرنا نہیں چاہا۔ اس کے عورت پن کی اس سے بڑی دلیل کیا ہو گی کہ لاکھ تضادات، بے اعتنائیوں، محرومیوں، لاپرواہیوں اور بے وفائیوں کے باوجود وہ اپنے ہم سفر کی شریکِ سفر رہی۔ اگرچہ اس سفر کا زیادہ تر دارومدار ناہید کے کندھوں پر تھا۔ فکرِ معاش سے لے کر گھر داری تک وہ سب کچھ کرتی رہی، ان حالات کے باوجود دوست بناتی رہی اور تعلقات کو نبھاتی رہی۔

یوسف کامران کی موت کے ساتھ یہ تعلق ایک مستقل غم بن کر اس کی روح کو جلا دیتا رہا ہے۔ اس مجموعے میں یہ موت ہی مختلف رنگوں میں نظر آتی ہے۔ اس مجموعے میں شاعرہ کا انداز بوجھل ہے۔ زیادہ تر داخلی واردات کا بیان ہے۔ احساسِ زیاں ہے، ہجر ہے، گھاؤ ہے، بے رحم آسمان ہے۔ ایک غزل بطورِ خاص یوسف کامران کے نام ہے۔ اس کی آنکھوں میں دھواں بھر چکا ہے، اس کی ازدواجی زندگی سلگتی ریت پر زیرِ پار کھی آنکھوں کی مانند رہی اور وہ تنِ تنہا بادِ مخالف کا سامنا کرتے گزری۔ اس مجموعے میں تعلقات کی کشیدگی، ہجومِ غم، یاسیت، اداسی، اشک اور آہیں ہیں۔ ٹوٹے ہوئے دل کی کرچیاں ہیں، جنھیں مصنفہ سمیٹنا چاہ رہی ہے۔ ان سے غزل کی معنویت بڑھی ہے اور اس میں رمزیت پیدا ہوئی ہے۔ ہم بلاشبہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ غزلیں کشور ناہید کی بہترین شاعری کا حصہ ہیں۔ اس میں روایت کی جھلک نہیں ہے، ایک دل گیر تجربہ ہے جو مصنفہ کو نیا پن عطا کرتا ہے۔

کشور ناہید کی کتاب خیالی شخص سے مقابلہ میں نو غزلیں شامل ہیں۔ روایت اور جدیدیت کا امتزاج لیے ان غزلوں میں بے مروت تعلقات، کسک، احساسِ تنہائی، نسائیت اور پاکستان کا سیاسی و سماجی شعور نمایاں ہے۔ عمر کی پچاس بہاریں دیکھنے کے بعد وہ واپسی کے سفر میں ہے۔ یہ سفر از سرِ نو تعلقات کی تفہیم کا سفر ہے۔ زمانے کے چاک پر گھومتے ہوئے کچھ رشتے بنائے اور کچھ فطری اَمر کے طور پر جھولی میں پڑے ہوئے ملے۔ شاعرہ کے نزدیک وقت کسی رشتے کی پائیداری متعین کرنے کا پیمانہ نہیں ہے۔ اب وہ محبوبہ اور بیوی سے ماں کے درجہ پر پہنچ چکی ہیں اور یہ احساس اس پر حاوی بھی ہے۔ محبوب کا راستہ دیکھنے والی بیٹوں کی واپسی کی منتظر ہے۔ ہتھیلی پر نام لکھنے کی عمر گزر گئی اور اس سے وابستہ رشتے پر بھی اوس پڑنے لگی ہے۔ وہ سب دوست احباب جن کے ساتھ سفر کیا، اس طویل ادبی سفر کے جو ساتھی بنے وہ بھی سب وقتی گرم جوشی تھی، شباب کے ساتھ یہ تعلق داریاں بھی رخصت ہوئیں۔

اب غزل میں نسائی پن ایک مختلف انداز سے ظاہر ہوا ہے۔ روایتی مضمون میں عورت کے خدوخال اس کے عشقیہ جذبات کا اظہار نسائی پن کہلاتا تھا۔ مگر دورِ جدید میں آتے آتے اصطلاحات بھی بدل گئیں خاص طور پر کشور ناہید کی نسائیت کے حوالے سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ مرد اور عورت کی مسابقتی دوڑ میں ان کی برابری کی دعویٰ دار ہے۔ وہ عورت کو محض جسم کی صورت نہیں لیتی۔ اس کا مسئلہ اس کے فن، فراست اور فکری صلاحیتوں کے ساتھ وجود کو منوانے کا ہے۔ اس کی شاعری میں موضوعاتی تنوع اسی احساس کی دین ہے۔ وہ پاکستان کے بدلتے سیاسی و سماجی ڈھانچے کی ناقد ہیں۔ وہ ظلم و ستم کے خلاف آواز اٹھاتی ہیں، وہ صحیح معنوں میں امن کی پیام بر ہیں۔ وطن کے لیے وہ خواب بنتی دکھائی دیتی ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

تعلق کو نہ سمجھو جاودانی
یہ آئینہ ہوا سے ٹوٹتا ہے [18]

اس وقت میرے دیس کی عورت کے ہاتھ میں
خاکستری ردائے بُریدہ بھی تیز ہے [19]
فاختہ بھی وحشت پہنے تھی، بلبل بھی چپ تھی
کس بارود کی بُو تھی جس سے ہستی آب ہوئی [20]
کچھ بھی بدلے پہ کبھی خلق کے دن بھی بدلیں
لوگ پوچھیں گے وگرنہ کہ بھلا کیا بدلا [21]

کشور ناہید کی کتاب میں پہلے جنم میں رات تھی میں محض دو غزلیں روایتی مضمون کے ساتھ شامل ہیں۔ اسی طرح ان کی کتاب سوختہ سامانیٔ دل میں چھ غزلیات شامل ہیں۔ ان میں بدلتے سیاسی و سماجی حالات، جدت اور روایت کے امتزاج کو پیش کرتے ہیں۔ عمرِ رفتہ دریا کی روانی کی طرح گزر گئی۔ دل کی صورت مصر کے بازار کی طرح بن گئی۔ زبان پر سچائی کے آبلے پڑ گئے ہیں۔ مصنفہ نے ڈھلتی عمر اور داخلی دنیا کی واردات رقم کی ہے۔ سوختہ سامانیٔ دل سے دو اشعار ملاحظہ ہوں:

ہم نے آنکھوں میں بہت سرمہ کیا یادوں کا
دلِ آشفتہ نے یہ بات زبانی کہہ لی [22]
آبلے نام بتاتے ہوئے گھر آتے ہیں
مرحلہ عشق کا رخصت کا مزا چاہتا ہے [23]

کشور ناہید کا شعری مجموعہ وحشت اور بارود میں لپٹی شاعری سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور سے 2010 میں شائع ہوئی۔ اس مجموعے میں بائیس غزلیات شامل ہیں۔ ان میں ملکی بدامنی، بے حفاظتی، عدم تحفظ، خودکش حملوں اور ان سے پیدا ہونے والے مستقل خوف و ہراس کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ان غزلیات کی خوب صورت بات یہ ہے کہ ان میں ایک غزل اردو ادب کی نامور مصنفہ قراۃ العین حیدر کے نام ہے۔ خاتون شاعری کی طرف سے ہم عصر دیگر ادیبوں کے لیے اس طرح کے خراجِ عقیدت قابلِ تحسین روایت ہے۔

یاد آ جائے تو بیتابیٔ جاں ایسی ہو
دل جدا ڈھونڈتا ہے، آنکھ جدا ڈھونڈتی ہے [24]

یہاں تک آتے آتے شاعرہ میں ایک ٹھہراؤ آ گیا ہے۔ اب سفینہ گرداب میں نہیں بل کہ ساحل پہ نمودار ہونے والا ہے، جس سے یک گونہ تسلی محسوس ہوتی ہے۔ اب دل وہ آئینہ بن گیا ہے جس میں ماضی و حال کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ اب خوابوں کے سنگ چلنے کی خواہش ختم ہو گئی ہے۔ ساتھ ہی ان خوابوں سے جھلسنے کی جلن میں بھی کمی آئی ہے۔ اب مصنفہ کے ہاں علامتی نظام میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی ہے۔ ہوا، سفر اور رات اس نئے نظام کے نمائندہ ہیں۔ فنا اور بے یقینی کی کیفیت جو خیالی شخص سے مقابلہ میں تھی اب قبولیت کی سند پا چکی ہے۔ اب شاعرہ اس زندگی کے ساحل سے پار اترنے کو تیار ہے۔ ایک حسابِ جان ہے جو برسرِ عام رکھ دیا گیا ہے۔ دنیا کی ناپائیداری، زندگی کی محرومیوں اور تجربات میں لپٹی یہ غزلیں جدید ترین اور عام فہم ہیں۔ شاعرہ کی مشکل پسندی اور تجرباتی شخصیت میں تبدیلی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

کشور ناہید کا 2018 میں شائع ہونے والا شعری مجموعہ شیریں سخنی سے پُرے دیگر منظومات کے علاوہ اُنیس غزلیات پر مشتمل ہے۔ حصہ غزل کو مصنفہ نے افسونِ انتظار کا نام دیا ہے۔ ان میں درماندگی اور افسردگی کا پہلو نمایاں ہے۔ عصرِ حاضر کی ہنگامہ آرائیاں ایک ٹھہراؤ کے ساتھ شاعرہ میں اتر گئی ہیں۔ ایک بار پھر سے ہم نفس / محبوب سے ہم کلامی کی شاعری نظر آتی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ کشور کی غزل سے دوستی ہونے لگی ہے۔ غیر متعصب ہو کر اگر ان کا جائزہ لیا جائے تو غزل کے دامن میں وسعت پیدا ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ محبت خاص طور پر ایک نئے رنگ میں سامنے آتی ہے۔ جمع و تفریق، شکست و فتح کی دوڑ سے نکل کر سود و زیاں کو قبول کر لیا گیا ہے۔ تنہائی نے پھر سے ہم نفس کا بُت مقابل کر دیا ہے۔ خود آگہی اور نسائی لہجہ نمایاں ہے۔ معروف شاعر ظفر اقبال کے نام بھی ایک غزل ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

کبھی سوچا نہ تھا ، اتنی بھی سرشاری کبھی ہو گی
کہ تیرا نام پڑھتے ہی طلبگاری کبھی ہو گی [25]

مجھ سے اک بار بھی گلے نہ ملا
اتنی وحشت تھی اس کو ہمت سے [26]

سنگِ تربت چیخ گیا ہو گا
سارا قصہ سنا دیا میں نے [27]

کشور ناہید کی غزلیات کو سمجھنے کے لیے اس کے علامتی نظام کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ غزل بلاشبہ دریا کو کوزے میں بند کرنے کا نام ہے۔ ایک مختصر سے شعر میں حیات و ممات کی گہرائیاں سمیٹنے کے لیے شعرا نے مختلف فنی حیلے اختیار کیے ہیں۔ ان میں سے ایک استعارہ بھی ہے۔ شاعرہ کے استعاراتی نظام کی بنیادیں یا اس کی شاعری کے اسمِ اعظم، آنکھ، پانی، آئینہ اور سفر ہیں۔ اردو شاعری کا یہ قدیم ترین استعارہ صفائی اور آب کے بنیادی وصف کے باعث خارجی و داخلی کیفیات و موضوعات کو بخوبی منعکس کرتا ہے۔ یہی خوبی آنکھ اور پانی رکھتے ہیں۔ سکندرِ اعظم نے جب آئینہ بنانے کا حکم دیا تب لوہے کے آئینے کا چلن عام ہوا۔ جو پتھر کے آئینے کے ساتھ اٹھ گیا۔ صاف و شفاف پتھر کے پانی پر ہر ایک طرف پارہ چڑھا کر آئینہ بنایا جانے لگا۔ اس سے مختلف علامات و تشبیہات نے جنم لیا۔ کبھی دل آئینہ ہوا، کبھی آنکھیں، یہ داخل و خارج دونوں کا عکاس ہے۔

دل میں محبوب کی تجلی تو آنکھوں میں ہجر و فراق اور محبت کے المیے منکشف ہوتے ہیں۔ نیز اس کا یہ وصف بھی ہے کہ یہ بغیر پلک جھپکائے چیزوں کو تکتا رہتا ہے۔ اس کی ذاتی پسند و ناپسند کوئی نہیں ہے۔ جس سے اس کے ساتھ حیرت آفرینی کا تلازمہ وابستہ ہو گیا ہے۔ آنکھ اور آئینے میں ایک بنیادی فرق یہی ہے کہ آنکھ دل کی رفیق اس کی حیرت کو تمنا میں بدلتی ہے، حسن کی حقیقت سے آشنا ہوتی ہے اور پھر اس پیکرِ جمال کی آرزومند بن جاتی ہے۔ اس کے برعکس آئینے میں کوئی جذبہ بیدار نہیں ہوتا۔ آئینہ آنکھ سے اس طرح جدا ہے کہ وہ صرف چشمِ حیراں نہیں ہے بل کہ انتظارِ محبوب میں چشم براہ بھی وہ تھکتا نہیں ہے۔ یہ بے رحم حقیقت پسند ہے۔ اس کے سامنے آتے ہی تمام تر ملمع کاری اتر جاتی ہے۔ یہ انسان کو اس کی عمر اور زوال کا احساس دلاتا ہے۔ کبھی ماضی اور اس سے وابستہ سوئے ہوئے جذبات متحرک کر دیتا ہے۔

جدید غزل میں یہ حقیقت پسندانہ ادراک سے وابستہ ہو کر عہدِ حاضر کو منعکس کرتا ہے۔ کشور ناہید کے ہاں یہ مذکورہ ان تمام تلازمات کے ساتھ اس کی ذات اور انا کا استعارہ ہے۔ وہ خود ہی تماشا ہے اور خود ہی تماشائی۔ اس کی تنہائی اور اس سے پیدا ہونے والی اجنبیت اسے عرفانِ ذات بخشتی ہے تو اس کے آئینہ میں آنے والے سب عکس دھندلانے لگتے ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر مغنی تبسم اپنی کتاب آواز اور آدمی میں لکھتے ہیں:

"غزل میں دنیا کے لیے آئینہ خانہ کا استعارہ تخلیق کائنات کی متصوفانہ (وجودی / شہودی) تعبیروں سے منسلک

ہے۔ جدید غزل میں آئینہ وجودیت پسندانہ ادراک سے مربوط ہو کر صورتِ حال کا عکاس بن گیا ہے۔ جس کو غالب نے قیدِ حیات سے تعبیر کیا ہے۔[28]"

کشور ناہید کی شاعری میں اہم استعارہ آنکھ اور پانی ہے۔ پانی کے چھیڑنے سے آنکھ میں عکس دھندلاتے ہیں۔ کبھی دھواں بڑھ جاتا ہے تو کبھی یہ مجسم آہ بن جاتی ہیں۔ آنکھ کے تلازمات کثرت سے استعمال ہونے کے باعث غزلیات میں بصری مناظر بڑھ گئے ہیں اور حروف جان دار و متحرک ہو گئے ہیں۔ نیز کنایہ میں کربلا پیشِ نظر رہتا ہے۔ کشور ناہید کی شاعری میں تلمیحاتی نظام اسلامی تاریخ میں گندھا ہوا ہے۔ ہر شعر ایک الگ دنیا اور تجربے کی نشان دہی کرتا ہے۔ ایسے میں محض چند اشعار سے مکمل حال نہیں بتایا جا سکتا۔

کشور ناہید کی شاعری میں کلاسیکی رچاؤ موجود ہے۔ وہ غزل کی کلاسیکی روایت سے جڑے رہنا چاہتی ہیں۔ اسی لیے ان کے ہاں موضوعات کی نوعیت عشقیہ ہے۔ ان کے تلمیحات کا خوب صورت نظام موجود ہے جو ان کے وسعتِ مطالعہ پر دلالت کرتا ہے۔ کچھ تلمیحات بھی ملاحظہ ہوں:

نہ کام آئی بساطِ سکندری اپنی
شنید و دید کے رستے ہی شب قدم بھی تھے [29]

جو بھی آئے وہ رکے لمحۂ گزراں کی طرح
دل بھی اب مصر کا بازار ہوا چاہتا ہے [30]

ڈھونڈنے سے اس کے نقش اُلجھتے تھے اور بھی
حالت تمام کرب و بلا کی تھی کچھ دنوں [31]

سہلِ ممتنع غزل کا امتیازی وصف ہے۔ غزل تو پہلے ہی خیال کے اُفق کو ذرۂ جاوداں بنانے کا نام ہے۔ سہلِ ممتنع کے ضمن میں میر تقی میر اور ناصر کاظمی کے سوا خال خال ہی شعرا اس پل صراط سے گزر سکے ہیں۔ کشور کے ہاں چند غزلیں اور اشعار آئے ہیں کہ دل بے اختیار تڑپ اٹھتا ہے۔ کشور کے ہاں چھوٹی بحروں میں بلا کی روانی ہے۔ ان کے ہاں خیال کی ندرت بھی قابلِ تحسین ہے۔

تراکیب کے استعمال سے غزل میں معنوی وسعتیں پیدا ہوتی ہیں جس سے شعر کی یک رُخی زائل ہو جاتی ہے۔ کشور کے ہاں جدید و قدیم تراکیب کا امتزاج موجود ہے۔ کچھ مصنفہ کی اپنی اختراع ہے اور کچھ بزرگوں سے استفادہ کیا ہے۔ جس سے اس کی شاعری میں نئی نئی تہیں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ مصنفہ کی تراکیب کے ذریعے شاعرہ کی تحلیل نفسی کی جا سکتی ہے۔ اس کی لغت میں ستم زدہ اور نامراد الفاظ کی کثرت ہے۔ خوشی و شادمانی کے الفاظ و تراکیب ندارد ہیں۔

تشبیہ ایسا فنی حربہ ہے جس کی مدد سے خیال میں رنگینی اور فکر انگیزی پیدا ہوتی ہے۔ ایک چیز کو کسی مشترک وصف یا خوبی کی بنا پر دوسری چیز کی مانند قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے۔ یہ عمل شاعر کے مشاہدۂ کائنات، مطالعہ تاریخ اور فطری میلان کا عکاس ہوتا ہے۔ کچھ شعرا کے ہاں مشاہدۂ کائنات بڑھا ہوا ہے جس سے ان کی شاعری میں خارجی پن پیدا ہو جاتا ہے۔ کشور ناہید کے ہاں یہ معاملہ بین بین ہے۔ اکثر داخلی واردات کو خارج کے ساتھ ملا کر انھوں نے پیش کیا ہے۔ زمین و آسمان روایتی تعلق میں بندھے ہوئے ہیں مگر ان کے تعلق کو از سرِ نو کشور کی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ روایتی مضمون میں آسمان حاکم ہے اور زمین محکوم، جب کہ شاعرہ کے ہاں دونوں الگ الگ جیسے خاکستری ہو گئے ہیں۔ وہ سمجھتی ہے کہ اگر ان کی ترتیب بدل دی جائے تو یہ آسمان سُرخرو ہو گا۔ زندگی کو شعرا صدہا رنگ میں باندھتے رہے ہیں۔ شاعرہ کے ہاں یہ ایک چوبِ خشک / برگِ خشک کی مانند ہے۔ مصنفہ تشبیہ کے وقت فطرت کے اشارے استعمال کرتی ہیں۔

لوگ مِل مِل کے بچھڑ جاتے ہیں
ہمسفر ٹوٹتا پتا ہی ہوا [32]

بہار آئی تو ہم نے کیا چمن سے گریز
کہ جیسے روح بھی کرنے لگے بدن سے گریز [33]

زندگی بجھتے چراغوں سے سوا تھی ظاہر
دل وہ تعبیر کا صحرا کہ دعا چاہتا ہے [34]

کشور ناہید کی شاعری میں اوزان کا تجزیہ کیا جائے تو یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اُن کی شاعری میں بحر مجتث کی ذیلی قسم مثمن مخبون محذوف مسکن (مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن) نمایاں نظر آتی ہے اور کشور ناہید کا معتدبہ کلام اِسی بحر میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں بحر مضارع کی ذیلی قسم مثمن اخرب مکفوف محذوف (مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن) میں بھی نسبتاً زیادہ غزلیں کہی گئی ہیں۔ کشور ناہید نے بحر رجز کے زحافات کو بھی بھرپور طریقے سے اپنی غزلوں میں برتا ہے۔ ہندی اوزان (فعلن فعلن...) کی متنوّع صورتیں بھی استعمال کی ہیں۔ اُن کی شاعری میں چند ایسی بحور کا بھی استعمال کیا گیا ہے جو اردو میں نسبتاً کم مستعمل ہیں، مثال کے طور پر بحر رجز کی ذیلی قسم مثمن متوی مخبون (مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن) میں بھی اُن کا کلام موجود ہے۔ تاہم، اِن بحور کی تعداد بہت کم ہے اور محض ایک خوش گوار تجربے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مجموعی طور پر، کہا جا سکتا ہے کہ بحر رمل سے اُن کی طبیعت کو فطری مناسبت ہے، جس کے باعث اُن کی منظومات کا قابلِ قدر حصّہ اِسی بحر کے زحافات پر مشتمل ہے۔

کشور ناہید کی شاعری کو باقر مہدی نے مشرقی معاشرے میں عورت کی باقاعدہ پہلی مستند آواز قرار دیا ہے جو ہم عصر سماج سے منہ موڑنے کی بجائے ان برائیوں کی نشان دہی کرتی نظر آتی ہیں جو مشرقی معاشرے میں عورت کے وجود کو لاحق رہی ہیں۔ باقر مہدی لکھتے ہیں:

> "اس سے پہلے اتنی بے باکی سے کسی مشرقی شاعرہ نے (خاص کر اردو شاعرہ) اپنے عشقیہ احساسات کو شاید ہی نظم کیا تھا۔ لوگ فہمیدہ ریاض کے "بدن دریدہ" کو اولیت دیتے ہیں مگر میری رائے میں کشور ناہید نے ایک سرکش لڑکی کے جنسی تموج اور خوابناک تصوّر کو سب سے پہلے پیش کیا تھا۔ بحث سب سے پہلے پیش کرنے کی نہیں ہے بات صرف اتنی ہے کہ تنگ و تاریک ماحول سے بنتِ حوّا نے کیسے بغاوت کی؟ اور اس کی داستان ہی کشور ناہید کی شاعری کا عنوان ہے اگر اس کی شاعری صرف اس کی ذات کی عکّاس دیتی تو وہ دلچسپ ہونے کے باوجود میرے لئے اتنی اہم نہ ہوتی اس لئے کہ وہ صرف ایک عورت کی انفرادی سرکشی کی شعری روداد ہوتی مگر کشور ناہید نہایت باشعور اور دنیا کی مختلف زبانوں کی شاعری کی جانکار بھی ہیں۔ وہ اپنے مرکز سے بہت دور کی آوازوں کو صرف سنتی نہیں ہیں بلکہ جذب کرتی ہیں۔[35]"

اس مقالہ میں شاعرہ کی غزلیات کی باقاعدہ تفہیم کی کوشش کی گئی ہے اور ان کے ذریعے مصنفہ کے فکری رجحان اور غزل میں اس کے قد کی بازیافت کی گئی ہے۔ اکثر یوں ہوتا ہے کہ جب کسی شخصیت کے پاس متنوع میدان ہوں تو ان میں سے کوئی ایک پیرائیہ اظہار اس کی پہچان بن جاتا ہے اور دیگر میدانِ فکر پس پشت چلے جاتے ہیں۔ یہی حال کشور ناہید کی غزل کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ اردو ادب کے ناقدین کو ان کی شاعری بالخصوص غزل کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے کیوں مصنفہ کی غزل میں ناقدین کے لیے ایک نیا جہانِ معنی منتظر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1. کشور ناہید، لبِ گویا (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2019)، ص:15
2. ایضاً، ص:16
3. ایضاً، ص:17
4. رشید امجد، ڈاکٹر، "پاکستان کی اردو شاعرات" مشمولہ پاکستان میں اردو ادب کے پچاس سال، مرتبہ ڈاکٹر نوازش علی (راولپنڈی: گندھارا بکس)، 2005، ص:108-109
5. ایضاً، ص:21
6. ایضاً، ص:41
7. ایضاً، ص:65
8. ایضاً، ص:71
9. رشید امجد، ڈاکٹر، "پاکستان کی اردو شاعرات"، ص:110-111
10. انتظار حسین، مُلاقاتیں (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2013)، ص:75
11. فتح محمد ملک، اپنی آگ کی تلاش (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2013)، ص:94
12. مشتاق احمد وانی، ڈاکٹر، اردو ادب میں تانیثیت (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2013)، ص:266-267
13. اپنی آگ کی تلاش، ص:101
14. شمیم حنفی، ڈاکٹر۔ ہم سفروں کے درمیان (لاہور: القا پبلیکیشنز، 2019)، ص:17717-6
15. سیّد سبطِ حسن، "لبِ گویا" مشمولہ نئے زمانے کی برہمن مرتبہ اصغر ندیم سیّد، افضال احمد (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 1990)، ص:13
16. لبِ گویا، ص:91
17. مختار صدیقی، حرفِ دگر (دیباچہ) مشمولہ لبِ گویا (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2019)، ص:7
18. کشور ناہید، خیالی شخص سے مقابلہ (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 1992)، ص:136
19. ایضاً، ص:138
20. ایضاً، ص:141
21. ایضاً، ص:148
22. کشور ناہید، سوختہ سامانیٔ دل (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2002) ص:78
23. ایضاً، ص:79
24. کشور ناہید، وحشت اور بارود میں لپٹی شاعری (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2010)، ص:120
25. کشور ناہید، شیریں سخنی سے پَرے (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2018)، ص:121
26. ایضاً، ص:118
27. ایضاً، ص:128
28. مغنی تبسم، ڈاکٹر، آواز اور آدمی (حیدرآباد: الیاس ٹریڈرس شاہ علی، 1983)، ص:201

29. خیالی شخص سے مقابلہ، ص:152

30. سوختہ سامانیٔ دل، ص:79

31. لبِ گویا، ص:33

32. لبِ گویا، ص:43

33. شیریں سخنی سے پرے، ص:114

34. سوختہ سامانیٔ دل، ص:79

35. باقر مہدی، کشور ناہید نِسائی بوطیقا کی تلاش میں (بمبئ: میٹرو پریس، مشمولہ کتابی سلسلہ نمبر 5 اظہار، جنوری 1984)، ص:207

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1. kishwar Naheed, Laba e Goya, Lahore: Sung e Meel Publication , 2019, P:15
2.ibid, P:16
3.ibid, P:17
4.Rasheed Amjad , Dr, “ Pakistan ki Urdu Shairaat “ mashmoola, Pakistan Main Urdu Adab k Pachas (50) saal ,Rawalpindi:Gandhara books, 2005, P:108-109
5.ibid, P:21
6.ibid, P:41
7.ibid, P:65
8.ibid, P:71
9.ibid, P:110-111
10. Intizar Hussain , Mulaqatain, Lahore: Sung e Meel Publication, 2013, P:75
11. Fateh Muhammad malik , Apni Aag ki Talash, Lahore: Sung e Meel Publication, 2013, P:94
12.Mushtaq Ahmad Wani, Dr, “ Urdu Adab Main Tanisiyat” Dehli: Educational Publishing House, 2013, P: 266-267
13. Apni Aag ki Talash, P:101
14. Shameem Hanfi, Dr, Hum Safroon k Darmiyan, Lahore: Alqa Publications, 2019, P:176-177
15.Syed Sibt e Hassan, “Lub e Goya” Mashmoola naey Zamanay ki birhan, Muratba Asghar Nadeem Syed, Afzaal Ahmad, Lahore: Sung e Meel Publications, 1990, P:13
16. Lub e Goya, P:91
17.Mukhtar Sadiqqi, Harf e Digar (Debacha) Mushmoola Lub e Goya, Lahore: Sung e Meel Publications,2019, P:7
18.Kishwar Naheed , Khayali Shakhs say Muqabala, Lahore: Sung e Meel Publications,1992, P:136
19.ibid, P:138
20.ibid, P:141
21.ibid, P:148
22.Kishwar Naheed , Sokhta Samani e Dil, Lahore: Sung e Meel Publications,2002, P:78
23.ibid, P:79
24.Kishwar Naheed , Wehshat oar Barood Main Lipti Shairi Lahore: Sung e Meel Publications,2010, P:120
25.Kishwar Naheed, Shereen Sukhani say Paray, Lahore: Sung e Meel Publications,2018, P:121

26.ibid,P:118
27.ibid,P:128
28.Mughni Tabasum, Dr, Aawaz oar Aadmi ,Haiderabad:ilyas Traders Shah Ali, 1983, P:201
29.Khayali Shakhs Say Muqabla, P:152
30.Sokhta Samani e Dil, P:79
31. Lub e Goya, P:33
32. Lub e Goya, P:43
33. Shereen Sukhani Say paray, P:114
34. Sokhta Samani e Dil, P:79
35.Baqir Mehdi, Kishwar Naheed Nisai Botiqa ki Talash Main, Bombai: Metro Press , Mushmoola Kitabi Silsala No 5 Izhar, January, 1984, P:207